تاریخی

اخلاقی کہانیاں

(۴)

افضل حسین
ایم۔اے۔ایل۔ٹی

فہرست مضامین

بسم اللہ الرحمن الرحیم

(۱)

نماز کی پابندی

اورنگ زیب ہندستان کا ایک بہت مشہور بادشاہ گزرا ہے۔ وہ شاہ جہاں کا بیٹا اور بہت بڑا عالم، مدبّر حکمراں تھا۔ اس نے ہندستان پر پچاس سال حکومت کی۔ اور اکبر کی وجہ سے ہندستان میں جو الحاد اور لادینیت کا سلسلہ چل پڑا تھا، اس کا اس نے بہت کچھ قلع قمع کیا۔ وہ آئین سلطنت بھی خوب جانتا تھا۔ بڑا محنتی و جفاکش تھا۔ سلطنت کے سارے کاروبار کی خود دیکھ بھال کرتا تھا۔ اس کی زندگی بہت سادہ اور پاکیزہ تھی۔ شریعت کا پابند تھا۔ علما کی بڑی قدر کرتا تھا۔ ذاتی خرچ کے لیے سرکاری خزانے سے کچھ نہیں لیتا تھا۔ ٹوپیاں سی کر یا کلامِ پاک لکھ کر گزراوقات کرتا تھا۔ نماز تو اس کی کبھی قضا نہیں ہوئی۔

محی الدین اورنگ زیب ابھی نوجوان ہی تھا کہ شاہِ جہاں نے اُسے کابل کی مہم پر روانہ کیا۔ اِس جری اور بہادر سپہ سالار نے فوج کو

مورچے پر لگا کر جنگ شروع کی۔ ٹھیک اس وقت جب گھمسان کی لڑائی ہورہی تھی، نماز کا وقت آ گیا۔ اورنگ زیب بھلا نماز کب چھوڑ سکتا تھا۔ فوراً ہاتھی پر سے اُتر پڑا۔ اور میدانِ جنگ میں نماز شروع کردی۔ نماز کے لیے اس نے اپنی جان یا فتح وشکست کی قطعاً پروانہ کی۔ فریق مخالف کے لوگ اُس کی ہمت دیکھ کر دَنگ رہ گئے۔ سوچا ایسے باہمت اور خداترس شخص سے بازی لے جانا مشکل ہے۔ آخر شکست مان کر اورنگ زیب کی اطاعت قبول کرلی۔

۱- شاہ جہاں کون تھا؟ اس نے اورنگ زیب کو کابل کیوں بھیجا تھا؟
۲- میدانِ جنگ میں کیا واقعہ پیش آیا؟ مقابل فوج پر اس کا کیا اثر پڑا؟
۳- اس کہانی سے اورنگ زیب کی سیرت کے بارے میں تم نے کیا اندازہ لگایا؟

(۲)

عدل

حضرت علی رضی اللہ عنہٗ خلفائے راشدین میں سے ہیں۔ وہ بہت جلیل القدر خلیفہ ہوئے ہیں۔ ان کا تقویٰ اور دلیری مشہور ہے۔

حضرت علیؓ اپنے دورِ خلافت میں ایک بار جنگ میں شرکت کی غرض سے جا رہے تھے۔ اتفاق سے راستے میں زرہ کھوگئی۔ جنگ سے واپسی میں وہی زرہ کوفے کے ایک یہودی کے یہاں پائی گئی۔ انھوں نے اس سے زرہ طلب کی۔ مگر یہودی نے زرہ دینے سے انکار کر دیا۔ بالآخر انھوں نے جج کی عدالت میں مقدمہ دائر کیا۔ سماعت کے وقت مدّعی کی حیثیت سے عدالت میں حاضر ہوئے۔ جج کی نگاہ میں اس وقت وہ مملکت کے ایک عام شہری کی حیثیت میں تھے۔ ثبوت کے لیے جج نے دو گواہ طلب کیے۔ انھوں نے اپنے غلام قنبر اور بیٹے حضرت حسنؓ کو گواہی میں پیش کیا۔ جج نے دونوں کی شہادت نامنظور کر دی۔ اِس لیے کہ ایک ان کا بیٹا تھا اور دوسرا غلام۔ زیرِ اثر ہونے کی وجہ سے دونوں کی شہادت قانون کی رُو سے

ناقابلِ قبول تھی۔ چوں کہ اور کوئی گواہ نہ تھا۔ اِس لیے مجبوراً حضرت علیؓ کو زرہ سے دست بردار ہونا پڑا۔

یہودی اسلامی عدالت کا یہ عدل دیکھ کر بہت متأثر ہوا کہ خلیفۂ وقت کا استغاثہ رعیت کے ایک غیر مسلم فرد کے خلاف اِس وجہ سے رَد کر دیا گیا کہ اُن کے پاس شہادت کے لیے شرعی گواہ نہیں تھا۔ اس نے زرہ واپس کر دی اور اسلامی نظام کی برکات دیکھ کر خود بھی مشرف بہ اسلام ہو گیا۔

---

(۳)

مساوات

سلطان مراد نے ایک مسجد بنانے کا حکم دیا۔ ایک مشہور معمار اِس کام پر مامور کیا گیا۔ اس نے اپنے نزدیک مسجد کی عمارت بہت خوش نما بنائی، مگر سلطان کو پسند نہ آئی۔ وہ معمار پر بہت برہم ہوا۔ غصے میں آ کر اُس کے دونوں ہاتھ قلم کر دیے۔ معمار بے چارہ لہولہان روتا پیٹتا جج کی عدالت میں حاضر ہوا اور سلطان کے خلاف استغاثہ دائر کر دیا۔

اِنصاف پسند جج نے سلطان کو عدالت میں طلب کیا۔ سلطان ایک مجرم کی حیثیت سے عدالت میں حاضر ہوا۔ وہ اپنی اِس حرکت پر نہایت پشیمان تھا۔ دیکھنے والے حیران تھے کہ ایک طرف سلطان مجرموں کے کٹھرے میں کھڑا ہے اور دوسری طرف معمار مدّعی کی حیثیت سے بول رہا ہے۔

سلطان نے جرم کا اعتراف کر لیا اور اپنی غلطی پر نادم ہوا۔

جج نے کہا کہ عدالت کے نزدیک سلطان اور ایک معمولی آدمی

برابر ہیں۔ بادشاہ کا خون معمار کے خون سے زیادہ رنگین نہیں ہے۔ اب سلطان کو قصاص دینا ہوگا۔ شریعت کا یہی فیصلہ ہے۔

سلطان نے غور سے فیصلہ سنا۔ قصاص دینے کے لیے تیار ہو گیا۔ اُس نے اپنے دونوں ہاتھ آستین سے باہر نکالے تاکہ معمار کی طرح اُس کے ہاتھ بھی قلم کر دیے جائیں۔ اِس منظر کو دیکھ کر معمار بہت متاثر ہوا۔ بولا:

''جائیے میں نے رسولِ پاکؐ کے صدقے میں آپ کو معاف کردیا، جن کی ذات بابرکت کی بدولت ہمیں ایسا قانون ملا، جس کی نگاہ میں شاہ و گدا سب برابر ہیں۔''

---

(۴)

ایفائے عہد

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے دورِ خلافت میں مسلمانوں کی ایرانیوں سے بڑی زبردست ٹکّر ہوئی۔ متعدد جنگیں ہوئیں۔ ایک جنگ میں ابوعبیدہؓ مسلمانوں کے لشکر کے سپہ سالار تھے۔ اور جابان، ایرانی لشکر کا سپہ سالار تھا۔ نمارق پر دونوں فوجوں کا مقابلہ ہوا۔ بڑی گھمسان کی لڑائی ہوئی۔ ایرانیوں نے جان توڑ مقابلہ کیا، مگر مسلمان مجاہدین کے سامنے ٹھہر نہ سکے۔ آخر شکست کھائی۔ بہت سے مارے گئے اور بہت سے میدان چھوڑ کر بھاگ کھڑے ہوئے۔

مسلمانوں نے گرفتار کرنا شروع کیا۔ اتفاق سے ایک مسلمان سپاہی نے جابان کو بھی گرفتار کرلیا۔ جابان بڑا مکار اور حیلہ جُو آدمی تھا۔ فوراً بات بنائی۔ بولا:

”میں ایک بوڑھا سپاہی ہوں۔ تم مجھے گرفتار کر کے کیا کرو گے۔ اگر مجھے چھوڑ دو تو میں معقول معاوضہ دے دوں گا۔“

مسلمان سپاہی جابان کو پہچانتا نہیں تھا۔ اِس لیے اُس کی مکاری میں آ گیا۔ اور امان دے دی۔ اُسے کیا خبر تھی کہ یہ ایرانی فوج کا سپہ سالار اور ایک بہت ہی فتنہ پرور شخص ہے۔

عہد پختہ کرانے کے لیے دونوں ابو عبیدہؓ کے خیمے میں گئے۔ وہاں اتفاق سے لوگوں نے جابان کو پہچان لیا۔ اب تو ہاتھوں کے طوطے اُڑ گئے۔ بعض مسلمانوں نے کہا: "جابان نے مکاری کی ہے اور دھوکا دے کر جان بچائی ہے۔ اس لیے یہ معاملہ منسوخ سمجھا جائے اور جابان کو قتل کر دیا جائے۔"

مگر لشکر کے سردار ابو عبیدہؓ نے فرمایا: "اب ایسا نہیں ہو سکتا۔ جب ملت کے ایک فرد نے اُسے امان دے دی تو پوری ملت کو اس کا احترام کرنا ہوگا۔ اب سارے مسلمانوں پر جابان کا خون حرام ہے۔ وعدہ خلافی کے لیے اسلام میں کوئی گنجایش نہیں۔"

چناں چہ جابان کو چھوڑ دیا گیا۔

۱۔ اس کہانی سے تم نے کیا سبق حاصل کیا؟

۲۔ جابان کیوں چھوڑ دیا گیا؟

۳۔ تمھارے نزدیک یہ فعل کیسا ہے؟

۴۔ ایفائے عہد کسے کہتے ہیں؟ اسلام کی اِس معاملے میں کیا تاکید ہے؟

(۵)

راست بازی

امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کا نام تو تم نے سنا ہوگا۔ وہ فنِ حدیث کے بہت بڑے عالم اور مستند امام شمار کیے جاتے ہیں۔ حدیث کی تدوین میں انھوں نے بڑی جاں فشانی اور احتیاط کا ثبوت دیا ہے۔ ان کی مدوّن کی ہوئی حدیث کی کتاب، قرآنِ حکیم کے بعد سب سے زیادہ صحیح کتاب مانی جاتی ہے۔ وہ احادیث اکٹھا کرنے، ان کی تحقیق و تفتیش اور اُن کی صحت کی جانچ میں بڑی محنت کرتے تھے۔ اس کام کے لیے بہت دُور دُور کا سفر اختیار کرتے تھے۔ جہاں کہیں معلوم ہو جاتا کہ اِس سلسلے میں کسی شخص سے کوئی مدد مل سکتی ہے، وہاں پہنچ کر استفادہ کرتے تھے۔

ایک مرتبہ ایک حدیث کے سلسلے میں انھیں ایک محدّث کے پاس جانے کا اتفاق ہوا۔ وہ اُن کے گھر کے قریب پہنچے تو دیکھا کہ ان محدّث صاحب کا گھوڑا رسّی توڑ کر بھاگ گیا ہے اور وہ اسے پکڑنے کے لیے

جا رہے ہیں۔ ہاتھ میں خالی توبڑا ہے، جسے دکھلا کر وہ گھوڑے کو دھوکے سے بلا رہے ہیں۔ چناں چہ گھوڑا دھوکے میں چلا آیا، اور اُنھوں نے اِس ترکیب سے اُسے پکڑ لیا۔

امام بخاریؒ نے جو یہ حال دیکھا تو فوراً واپس چلے آئے۔ اُنھوں نے سوچا کہ ایسے شخص کی حدیث کا کیا اعتبار، جو غریب جانور کو دھوکا دینا روا رکھتا ہو۔

دیکھی آپ نے امام بخاریؒ کی احتیاط۔ ان کے نزدیک محدّث کا یہ فعل بھی راست بازی کے منافی تھا۔ ظاہر ہے کہ جو راست باز نہ ہو اس کی روایت قابلِ اعتماد کیسے ہو سکتی ہے۔ اِسی احتیاط کی بنا پر تو اُن کی مدوّن کردہ حدیث کی کتاب "اَصَحُّ الْکُتُبِ بَعْدَ کِتَابِ اللّٰہِ" کہلاتی ہے۔

۱- امام بخاریؒ کون تھے؟ اُن کا سب سے زبردست کارنامہ کیا ہے؟
۲- احادیث کی تدوین میں اُنھوں نے کیا کیا احتیاطیں کیں؟
۳- محدِّث کے پاس وہ کیوں گئے تھے؟ وہاں سے واپس کیوں لوٹ آئے؟
۴- محدِّث صاحب گھوڑے کو کس طرح بلا رہے تھے؟ ان کا یہ فعل کیسا تھا؟
۵- راست بازی کسے کہتے ہیں؟

حضرت عمر رضی اللہ عنہ جلیل القدر خلیفہ ہوئے ہیں۔ اپنے دورِ خلافت میں وہ راتوں کو گشت کیا کرتے تھے۔ تاکہ مسلمانوں کے حال سے باخبر رہیں اور حسبِ ضرورت معقول انتظام کر دیا کریں۔ خدمت کا یہی جذبہ تھا جو اُنھیں رات کو بھی آرام نہیں لینے دیتا تھا۔

ایک شب وہ اپنے غلام اسلم کو لے کر مدینے سے باہر نکل گئے۔ آبادی سے دور اُنھیں ایک خیمہ نظر پڑا۔ اس طرف مُڑ گئے۔ قریب پہنچے تو دیکھا کہ خیمے کے باہر ایک بدّو اُداس بیٹھا ہے۔ خیمے کے اندر سے کراہنے کی اواز آرہی ہے۔ حال دریافت کیا تو معلوم ہوا کہ اس کی بیوی کے بچہ پیدا ہونے والا ہے، وہ دردِ زِہ میں مبتلا ہے اور مسافرت میں اُن کے پاس نہ تو کوئی سامان ہے، جو اس موقعے پر کام آئے اور نہ کسی سے جان پہچان کہ آڑے وقت پر اس سے مدد لی جائے۔

حضرت عمرؓ نے بدّو سے یہ حال سنا تو بہت متاثر ہوئے۔ بھاگے ہوئے گھر آئے اور بیوی سے بولے:

''بیوی اللہ نے ثواب کمانے کا بڑا اچھا موقع فراہم کر دیا ہے۔ کیا تم اِس سنہری موقع سے فائدہ اُٹھانے کے لیے تیار ہو؟

اس کے بعد سارا واقعہ کہہ سنایا۔ بیوی نے بہ خوشی اس خدمت کے لیے اپنے کو پیش کر دیا۔ جلدی سے دونوں تیار ہو گئے۔ حضرت عمرؓ نے اپنی پیٹھ پر آٹے کی بوری لادی اور کچھ روغن ساتھ لیا۔ بیوی نے اپنے ساتھ وہ سامان لیا جو ولادت کے وقت کام آتا ہے۔ دونوں بدّو کے خیمے کی طرف روانہ ہو گئے۔ خیمے کے پاس پہنچ کر بیوی تو اندر چلی گئیں اور حضرت عمرؓ بدّو کے پاس بیٹھ کر باتیں کرنے لگے۔

امیر المومنین کی اہلیہ نے دائی کا کام انجام دیا۔ اللہ کی دین تھوڑی دیر میں لڑکا پیدا ہوا۔ اہلیہ نے اندر سے فرمایا:

''امیر المومنین! آپ اپنے ساتھی کو فرزند کی بشارت دے دیجیے۔''

اب بدّو کو پتا چلا کہ یہ امیر المومنین ہیں۔ وہ بے چارہ تو گھبرا گیا۔ جلدی جلدی معافی مانگنے لگا۔ انھوں نے اُسے تشفّی دی۔ فرمایا:

''سردار کا کام ہے خدمت کرنا۔''

پھر بدّو کو ضرورت کی چیزیں دے کر میاں بیوی وہاں سے رُخصت ہوئے۔

(۷)

دلیری

اورنگ زیب کا مختصر حال تم پڑھ چکے ہو۔ یہ بہت خدا ترس اور نیک بادشاہ تھا۔حکومت کا سارا کام بڑی جاں فشانی سے انجام دیتا۔ پھر بھی شاہی خزانے سے اپنے ذاتی اخراجات کے لیے ایک پیسا بھی نہیں لیتا تھا۔ قرآن مجید کی کتابت کر کے اُس کے ہدیے سے اپنا پیٹ پالتا تھا۔ کبھی کبھی ٹوپیاں بھی بنا کر فروخت کرتا اور اسی آمدنی سے گزراوقات کرتا تھا۔

ایک دن اورنگ زیب صبح سویرے اُٹھا اور تفریح کے لیے جنگل کی طرف نکل گیا۔ اِس وقت وہاں کا منظر بڑا سہانا تھا۔ ہر طرف قدرت کی کاریگری کے جلوے نظر آرہے تھے۔ نسیم سحر کے جھونکوں سے جنگل کے ہرے بھرے درخت جھوم رہے تھے۔ خوش رنگ پھول آنکھوں کو دعوتِ نظارہ دے رہے تھے۔ درختوں پر طائرانِ خوش الحان باری تعالیٰ کی حمد و ثنا کے نغمے الاپ رہے تھے۔ عالمگیر اس منظر سے بہت متاثر ہوا۔ اِردگرد کی تمام اشیا کو محوِ تسبیح دیکھ کر وہ بھی وہیں رُک گیا اور شکرانے کی نماز ادا کرنے

لگا۔ ابھی وہ نماز سے فارغ نہیں ہوا تھا کہ وہاں ایک شیر آ نکلا۔ بادشاہ عبادت میں مشغول تھا۔ اُسے شیر کے آنے کی قطعاً خبر نہ ہوئی۔ شیر نے پیچھے سے آ کر عالمگیر کی کمر پر پنجہ مارا۔ بادشاہ بالکل ہراساں نہ ہوا۔ اُسے خدا کے علاوہ کسی کا خوف ہی کب تھا۔ ہاتھ میں تلوار سنبھالی اور اِس دلیری سے شیر پر وار کیا کہ شیر کا پیٹ چاک ہو گیا اور وہ وہیں گر کر مَر گیا۔

---

(۸)

استقلال

بہت دنوں کی بات ہے۔ اسکاٹ لینڈ میں ایک بادشاہ گزرا ہے۔ اُس کا نام بروس تھا۔ ایک بار اُسے جنگ میں شکست ہوگئی۔ وہ میدان چھوڑ کر بھاگ کھڑا ہوا۔ دشمنوں کی نگاہوں سے بچتا بچاتا ایک تنہائی کے مقام پر جا پہنچا۔ چہرے پر اِنتہائی یاس اور افسردگی کے آثار نمایاں تھے۔ وہ اپنی شکست سے بہت بددل ہو چکا تھا۔ اب اس میں مزید مقابلے کی ہمت باقی نہ تھی۔ تھکا ماندہ تو تھا ہی۔ یوں بھی مایوسی کے عالم میں انسان سے کچھ بن نہیں پڑتی۔ وہ زمین پر لیٹ گیا اور اپنے مستقبل پر غور کرنے لگا۔ حسن اتفاق اسی اثنا میں چھت پر سے ایک مکڑی گری۔ وہ اپنے جالے کے سہارے پھر چھت پر پہنچنا چاہتی تھی۔ وہ کچھ ہی دور اوپر گئی تھی کہ اپنا بوجھ سنبھال نہ سکی، پھر نیچے آ گئی۔ مگر مکڑی نے ہمت نہ ہاری، چڑھنے کی دوبارہ کوشش کی۔ اب کی بار وہ کچھ زیادہ اوپر پہنچ گئی تھی۔ مگر سوءِ اتفاق پھر نیچے آ رہی۔ مکڑی نے اپنی کوشش جاری رکھی۔ وہ لگاتار چڑھتی رہی اور

منزلِ مقصود سے قریب تر ہو کر گرتی رہی۔ مگر اس نے استقلال کو ہاتھ سے نہ جانے دیا، اور نہ اُس پر مایوسی کے اثرات طاری ہوئے۔ بالآخر وہ نویں بار چھت تک پہنچ جانے میں کامیاب ہوگئی۔ بادشاہ بروس پر مکڑی کے استقلال کا بہت اثر ہوا۔ اس نے سوچا کہ یہ ناچیز مکڑی ایک ننھا سا حقیر کیڑا اور اس میں اتنا استقلال۔ میں انسان ہو کر صرف ایک بار کی شکست پر اتنا بددل ہوا کہ سر چھپا کر بیٹھ رہا۔ مجھ جیسے انسان کو بھلا یہ کب زیب دیتا ہے۔ یہ سوچ کر اُس کی ہمت بڑھی۔ اس نے پھر کوشش کی اور ایک بہت بڑی فوج اکٹھا کر کے حملہ کیا اور دشمن پر فتح حاصل کی۔

اسی طرح کا ایک قصہ تیمور لنگ کے متعلق مشہور ہے۔ تیمور ایک مشہور مغل بادشاہ گزرا ہے۔ وہ ایک پیر سے لنگڑا تھا۔ اِسی لیے لوگ اُسے تیمور لنگ کہتے ہیں۔ اس نے اپنی بہادری سے بہت سے ممالک فتح کیے۔ ایک بار اُسے ایک جنگ میں شکست ہوئی اور اُس کی تمام فوج تتر بتر ہوگئی۔ وہ خود جان بچانے کے لیے غار میں چھپ رہا۔ اس شکست نے اس کا دل توڑ دیا۔ ہمت پست ہوگئی اور دشمن کے اندر مقابلے کی جراُت باقی نہ رہی۔ وہ مایوسی کے عالم میں پڑا تھا کہ یکا یک اس کی نظر ایک چیونٹی پر پڑی، جو ایک دانہ لے کر اوپر چڑھنے کی کوشش کر رہی تھی۔ دانہ بہت بڑا تھا۔ دراصل چیونٹی کے بس کا تھا نہیں۔ مگر اس ننھی سی مخلوق میں اللہ نے اِتنی ہمت رکھی ہے کہ وہ ہمیشہ اپنے سے کئی گنا بوجھ لے کر چلنے کی کوشش کرتی ہے۔ کچھ

اوپر چڑھتی مگر پھسل کر نیچے گر پڑتی۔ وہ لگا تار کوشش کرتی رہی۔ بالآخر دانہ لے کر اوپر چڑھنے میں کامیاب ہوگئی۔

اِس منظر نے تیمور پر بڑا اثر کیا۔ اُس نے سوچا کہ اللہ کی یہ حقیر ترین مخلوق تو اتنی مستقل مزاج ہے کہ بار بار ناکامی کے باوجود اُس نے ہمت نہیں ہاری اور میں اشرف المخلوقات ہو کر ایک معمولی سی شکست پر ہاتھ پیر توڑ کر بیٹھ رہا۔ چناں چہ یہ خیال آتے ہی وہ ہمت کر کے اُٹھا۔ فوج کو پھر سے منظّم کیا اور پورے استقلال کے ساتھ دشمن سے مقابلہ کیا۔ بالآخر کامیاب ہوا۔

---

(۹)

احساسِ ذمّہ داری

خلفائے راشدینؓ اپنی ذمے داریوں کو سمجھتے تھے۔ اِسی لیے ان کے دورِ خلافت میں حکومت کا انتظام بالکل اسی طرح کا تھا، جیسا اللہ اور اُس کے رسولؐ نے فرمایا تھا۔ مگر بعد کے لوگوں نے آہستہ آہستہ اپنی ذمے داریاں بھلا دیں۔ وہی طریقہ اختیار کرلیا جو دوسری قوموں کے بادشاہوں کا ہوتا ہے۔ بیت المال کو مسلمانوں کی امانت کی بجائے اپنی ملک سمجھ لیا، اُسے اپنے عیش و آرام پر خرچ کرنے لگے، خلافت کو اپنے خاندان میں محدود کردیا، اونچے اونچے عہدے اپنے اعزّ او اقارب کو سونپنے لگے، رعایا پر ظلم وستم ہونے لگا اور لوگوں کے حقوق غصب کیے جانے لگے۔ اِنھی حالات میں اتفاق سے حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ خلیفہ ہوگئے۔ وہ بہت ہی صالح اور خدا ترس تھے۔ اُنھوں نے بڑی کوشش کی کہ کسی طرِح حکومت کا انتظام خلافت راشدہ کے نمونے پر ہو جائے۔ وہ اس کوشش میں بہت حد

تک کام یاب بھی ہوئے۔ اِسی لیے بہت سے لوگ اُنھیں خلفائے راشدین میں شمار کرتے ہیں۔

سلیمان بن عبدالملک کی وفات کے بعد حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ خلیفہ ہوئے۔ سلیمان کی تجہیز و تکفین میں سارا سارا دن لگ گیا۔ رات مسلمانوں سے بیعت لینے میں کٹ گئی۔ چوبیس گھنٹوں کی مصروفیت اور رات بھر کی بے خوابی سے ان کی طبیعت کچھ بھاری ہوگئی۔ دوسرے دن فجر کے بعد ارادہ کیا کہ تھوڑی دیر آرام کرلیں۔ اتنے میں اُن کے صاحب زادے آ گئے۔ اُنھوں نے پوچھا: ''ابومیاں! کیا ارادہ ہے؟''

خلیفہ: ''طبیعت کچھ بھاری ہے۔ رات بھر کا جاگا ہوں، ارادہ ہے تھوڑی دیر آرام کرلوں۔''

بیٹا: ''پوری ملت کی نگاہیں آپ پر لگی ہیں اور آپ آرام کرنے جارہے ہیں۔ کتنے مظلوم ظالموں کے پنجے میں ہیں۔ کتنے حق والوں کے حقوق غاصبوں نے ہڑپ کرلیے ہیں۔ وہ سب اِس توقع میں ہی کہ آپ انصاف کریں گے۔ اُنھیں ظالموں کے آہنی پنجے سے چھڑائیں گے اور اہلِ حق کے حقوق دلوائیں گے۔ ان کے معاملات نمٹائے بغیر آپ سونے جارہے ہیں۔''

خلیفہ: ''بیٹا! رات بھر جاگنے سے طبیعت مکدّر ہورہی ہے۔ تھوڑی دیر آرام کرلوں۔ ظہر بعد سارے معاملات نمٹاؤں گا۔''

بیٹا: ”کیا آپ کو یقین ہے کہ اِس دوران میں آپ کو موت نہیں آ سکتی۔ اگر خدانہ خواستہ آپ سوئے کے سوئے رہ گئے، موت نے آپ کا کام تمام کر دیا تو ان ذمے داریوں کے بارے میں حشر کے دن آپ کیا جواب دیں گے۔“

خلیفہ نے بیٹے کی یہ باتیں سنیں تو فرطِ محبت سے اُسے لپٹا لیا اور اپنا آرام تج کر فوراً معاملات نمٹانے کے لیے چل کھڑے ہوئے۔

۱- حضرت عمر بن عبدالعزیز کون تھے؟ وہ کن حالات میں خلیفہ ہوئے۔
۲- انھوں نے نظامِ حکومت کس نہج پر چلانا چاہا؟
۳- اُنھیں خلافت کیسے ملی؟
۴- وہ کیوں آرام کرنے جا رہے تھے؟
۵- صاحب زادے سے اُن کی کیا بات چیت ہوئی؟
۶- تم نے اِس کہانی سے کیا سبق حاصل کیا؟

(۱۰)

قرض معاف کردینا

سکندر لودی ہندستان کا ایک بہت مشہور بادشاہ گزرا ہے۔ وہ خود بہت نیک تھا اور بزرگوں کی بڑی قدر کرتا تھا۔ اسی کے دورِ حکومت میں زین الدین نامی ایک بہت ہی خدا رسیدہ بزرگ گزرے ہیں۔ وہ بہت بڑے رئیس تھے۔ان کی فیاضی، نیک نفسی، تقویٰ اور عبادت گزاری کے سبب سلطان اُن کی قدر کرتا تھا۔ وہ اپنے معمولات کے سختی سے پابند تھے۔

ایک دفعہ کا ذِکر ہے۔ جمعہ کا دن تھا۔ ان کو بلانے کے لیے سلطان نے پے در پے تین ہرکارے بھیجے۔ مگر انھوں نے اپنے معمولات کو چھوڑ کر جانا گوارا نہ کیا۔ درباریوں نے سلطان کو بھڑکانا چاہا۔ بولے: ''اُن کے مزاج میں بہت غرور ہے۔ جہاں پناہ نے تین بار طلب کیا، پھر بھی نہ آئے۔''

بادشاہ نے کہا: ''مجھے خیال نہیں رہا۔ جمعہ کو وہ اپنے معمول کے مطابق کہیں نہیں جاتے۔ کوئی بات نہیں، جب فرصت ملے گی آجائیں گے۔''

سلطان کی وفات کے بعد وہ معزول کردیے گئے۔ اب تو ساری دولت وثروت ختم ہوگئی۔ وہ مفلس وتنگ دست ہوگئے۔ پھر بھی دریا دلی نہ گئی۔ ایک دن انھوں نے بہت سے کاغذات نکال کر چاک کیے، اور ملازم سے کہا کہ اُن پھٹے ہوئے کاغذوں کو اتنا دھوڈالو کہ اُن پر لکھی ہوئی عبارت باقی نہ رہے۔ ملازم کاغذات دھو رہا تھا کہ ایک مصاحب آ گئے، دھونے کا سبب پوچھا تو بولے:

"دولت وثروت کے زمانے میں بہت سے شرفا نے مجھ سے روپے قرض لیے تھے۔ دیتے وقت میرا ارادہ واپس لینے کا نہ تھا، مگر ان لوگوں نے خواہ مخواہ دستاویزیں لکھ کر بھیج دیں۔ یہ وہی دستاویزیں ہیں جنھیں میں نے اِس وجہ سے چاک کرڈالا کہ کہیں تنگ دستی کے سبب یہ رقم واپس لینے کا خیال نہ پیدا ہوجائے یا میرے مرنے کے بعد میرے ورثا اس کی واپسی کا دعویٰ نہ کردیں۔"

قرضے کی یہ رقم دو تین لاکھ روپے کے قریب تھی۔ مگر اس خدا رسیدہ بزرگ نے تنگ دستی کے باوجود اُسے نہ صرف واپس لینے سے گریز کیا، بلکہ آیندہ اُس کی واپسی کا راستا تک بند کردیا۔

---

(۱۱)

سامانِ تعیُّش سے پرہیز

علامہ اقبال ہندستان کے ایک نامور شاعر گزرے ہیں۔ ان کے انتقال کو کچھ زیادہ عرصہ نہیں ہوا۔ ان کی طبیعت بہت ہی سادہ اور فقیرانہ تھی۔ گو لندن سے بیرسٹری اور ڈاکٹری کی ڈگری لے کر آئے تھے اور حکومت کی طرف سے بھی انھیں ''سر'' کا خطاب ملا تھا، پھر بھی وہ بڑے فقیر منش آدمی تھے۔

ایک مرتبہ کا واقعہ ہے۔ پنجاب کے ایک دولت مند رئیس نے ایک قانونی مشورے کے لیے علامہ اقبال اور دوسرے مشہور قانون داں حضرات کو اپنے یہاں بلایا۔ اپنی شاندار کوٹھی میں اُن کے قیام کا انتظام کیا۔ رات میں جس وقت اقبال اپنے کمرے میں آرام کرنے کے لیے گئے تو ہر طرف عیش و تنعّم کے سامان دیکھ کر خصوصاً اپنے لیے نہایت نرم اور قیمتی بستر پاکر معاً ان کے دل میں خیال آیا کہ جس رسولِ پاکؐ کی جوتیوں کے

صدقے میں آج ہم کو یہ رتبہ نصیب ہوا ہے، اس نے بوریئے پر سو کر زندگی گزار دی تھی اور ہم عیش کرتے پھر رہے ہیں۔ یہ خیال آنا تھا کہ آنسوؤں کی جھڑی بندھ گئی۔ اس بستر پر لیٹنا اُن کے لیے محال ہو گیا۔

آخر اقبال وہاں سے اُٹھ کھڑے ہوئے اور برابر کے غسل خانے میں جا کر ایک کرسی پر بیٹھ گئے اور دیر تک روتے رہے۔ جب ذرا دل کو قرار آیا تو ملازم کو بلا کر اپنا بستر کھلوایا اور ایک چارپائی پر غسل خانے ہی میں سو گئے۔

---

(۱۲)

علم کی قدر

ہارون رشید مسلمانوں کا بہت بڑا بادشاہ گزرا ہے۔ شہر بغداد اس کا پایۂ تخت تھا۔ ایک بار وہ مدینہ منورہ کی زیارت کے لیے گیا۔ اس کے دونوں صاحب زادے مامون و آمین بھی ساتھ تھے۔

مدینہ منورہ میں اس وقت ایک بہت مشہور مدرسہ تھا۔ یہ مدرسہ مسجد نبویؐ میں تھا۔ امام مالکؒ اِس میں تعلیم دیتے تھے۔ آپ بہت مشہور عالم اور زبردست بزرگ تھے۔ حدیث کا بڑا اچھا درس دیتے تھے۔ دور دور سے طلبہ وہاں دین کا علم حاصل کرنے کے لیے آتے اور اُن کی صحبت سے فیض یاب ہوتے تھے۔

ہارون رشید نے بھی اِس مدرسے کی شہرت سنی۔ وہ خود علم دوست آدمی تھا۔ خواہش ہوئی کہ میرے دونوں بیٹے بھی اگر کسی طرح امام مالکؒ سے فیض یاب ہوتے تو اچھا ہوتا۔ مگر وہ شہزادوں کو مدرسے میں بھیجنا نہیں چاہتا تھا۔ اس نے امام مالکؒ سے کہلا بھیجا کہ میری تمنا ہے کہ امین و مامون

بھی آپ سے فیض حاصل کریں۔ مگر شہزادوں کو درس گاہ بھیجنا میری شان کے خلاف ہے۔ اگر آپ خود تشریف لا کر اُنھیں مستفید ہونے کا موقع دیں تو بہتر ہے۔

امام مالکؒ بھلا علم کی توہین کب گوارا کر سکتے تھے۔ جسے علم حاصل کرنے کی تمنا ہوتی ہے وہ خود علم کے پاس جاتا ہے۔ کنواں پیاسے کے پاس نہیں جایا کرتا۔ چناں چہ امام مالکؒ نے کہلا بھیجا: ''اے بادشاہ! یہ علم آپ ہی کے گھر سے آیا ہے۔ اگر آپ ہی اُسے ذلیل کرنا چاہتے ہیں تو کر لیں۔''

یہ جواب پا کر ہارون رشید نے کہلا بھیجا۔

''اگر جناب کو یہاں آنے میں تامل ہے تو امین و مامون ہی درس گاہ میں حاضر ہوا کریں گے۔ لیکن اتنا ضرور خیال رکھا جائے کہ اُن کے درس کے وقت دوسرے طلبہ موجود نہ ہوں۔''

امام مالکؒ نے کہلا بھیجا:

''افسوس! میں آپ کے اس حکم کی بھی تعمیل نہیں کر سکتا۔ اسلام تو برابری اور مساوات کی تعلیم دیتا ہے۔ مسجد نبوی میں بیٹھ کر میں طلبہ میں یہ امتیاز کس طرح گوارا کر سکتا ہوں۔''

امام مالکؒ کے اِس جواب سے ہارون رشید بہت متاثر ہوا۔ اس نے اپنے دونوں بیٹوں کو اُن کی خدمت میں بھیج دیا۔ ایک عرصے تک دونوں بیٹے درس گاہ میں دوسرے طلبہ کے ساتھ تعلیم حاصل کرتے رہے۔

(۱۳)

قناعت

سکندر مقدونیہ کا بادشاہ تھا۔ اُسے ملک گیری کا بہت شوق تھا۔ چاہتا تھا ساری دنیا اسی کے قبضے میں آجائے۔ اس کے لیے اس نے بڑی بڑی جنگیں کیں۔ کتنی سلطنتیں تباہ کرڈالیں۔ اتنے دور کا رہنے والا اور ہندستان پر حکومت کرنے کا خواب دیکھ رہا تھا۔ چناں چہ اس نے اس ملک پر بھی حملہ کیا۔ مگر اس کی فوج نے آگے بڑھنے سے انکار کردیا۔ اِس لیے مجبوراً واپس لوٹ گیا اور راستے ہی میں بابل پہنچ کر مر گیا۔ یہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے بھی تین سو سال پہلے کا قصہ ہے۔

سکندر کے دور کا واقعہ ہے کہ ایک بزرگ تھے، اُن کا نام تھا دیو جانس کلبی۔ وہ آبادی سے دور پہاڑی پر ایک کٹیا میں رہتے تھے۔ اُن کی بزرگی کا بڑا شہرہ تھا۔ سکندر نے بھی اُن کی شہرت سنی۔ خدمت میں حاضر ہوا۔ جاڑے کا دن تھا وہ بزرگ اپنی کٹیا کے سامنے بیٹھے دھوپ کھا رہے تھے۔ سکندر قریب آ گیا۔ ادب سے سلام کیا اور اِس رُخ پر کھڑا ہو گیا،

جدھر سے دھوپ آ رہی تھی۔

دیوجانس نے پروا بھی نہ کی کہ اتنا بڑا بادشاہ میرے پاس آیا ہے۔ وہ اِسی طرح اپنے گیان دھیان میں مصروف رہے، سکندر نے سوچا کہ ان بزرگ کو اِس بیابان میں کھانے پینے کی بڑی تکلیف ہوتی ہوگی، اُن کی خدمت میں کچھ پیش کرنا چاہیے۔ چناں چہ بولا:

"حضرت آپ کو تو یہاں بہت تکلیف ہوتی ہوگی۔ اگر آپ فرمائیں تو میں کچھ پیش کروں۔"

دیوجانس خوب جانتے تھے کہ سکندر نے اپنی سلطنت کو وسعت دینے کے لیے کتنی سلطنتیں ہڑپ کی ہیں۔ دوسروں کے امن وسکون پر کتنے ڈاکے ڈالے ہیں جو خود اتنا حریص ہو وہ بھلا دوسروں کی کیا خدمت کرسکتا ہے۔ چناں چہ بہت ہی ترش روئی سے فرمایا:

"ذرا پرے ہٹو! مجھے دھوپ کھانے دو، تم نے آ کر میری دھوپ چھین لی۔ میں تم سے کچھ نہیں چاہتا۔ مہربانی کر کے مجھے وہ چیز تو استعمال کرنے دو جو مجھے میرے اللہ نے عطا فرمائی ہے۔"

بزرگ کے اس فقرے نے سکندر پر جادو کا سا اثر کیا۔ وہ خوب سمجھ گیا کہ دنیا کی ساری بے اطمینانی اِسی وجہ سے ہے کہ اللہ تعالیٰ کی عطا کی ہوئی چیزوں پر انسان قانع نہیں رہتا۔ اور حرص میں آ کر دوسروں کا بھی حق مار لیتا ہے۔

۱- سکندر کون تھا؟ وہ دیوجانس کے پاس کیوں گیا تھا؟
۲- اُس نے دیوجانس سے کیا کہا؟ دیوجانس نے اس کو کیا جواب دیا؟
۳- سکندر پر دیوجانس کی باتوں کا کیا اثر ہوا؟
۴- لوگوں کی بے اطمینانی کا اصل سبب کیا ہے؟
۵- قناعت کسے کہتے ہیں؟ اس کہانی سے تمھیں کیا سبق ملتا ہے؟

(۱۴)

ایثار

حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے دورِ خلافت میں یرموک کے مقام پر رومیوں سے بہت زبردست جنگ ہوئی۔ اس جنگ میں رومی فوج کے مقابلے میں مسلمان مجاہدین کی تعداد بہت کم تھی۔ مگر حضرت خالدؓ جیسے جاں باز سپہ سالار کے حسن تدبیر اور اللہ کی مدد سے مسلمانوں نے رومیوں کے چھکے چھڑا دیے۔ رومی مسلمانوں کے مقابلے میں ٹھہر نہ سکے۔ آخر میدان چھوڑ کر بھاگ کھڑے ہوئے۔ اس جنگ میں سوا لاکھ کے قریب رومی مارے گئے۔ تین ہزار مسلمان مجاہدین بھی شہید ہوئے۔ اسی جنگ کا ایک واقعہ ہے کہ ایک مجاہد اپنے چچا زاد بھائی کی تلاش میں نکلے۔ بھائی جنگ میں شریک تھے۔ انھوں نے مشکیزہ میں پانی لے لیا کہ ممکن ہے بھائی پیاسے ہوں تو انھیں پانی پلا دوں گا۔ اتفاق سے وہ لاشوں کے بیچ میں ایک جگہ نظر پڑ گئے۔ قریب جا کر دیکھا تو بہت بری حالت تھی۔ زخموں سے چوُر چوُر دم توڑ رہے تھے۔ انھوں نے پانی کے لیے پوچھا، تو اشارے سے

ہاں کہا۔ وہ پانی پلانا چاہتے ہی تھے کہ اتنے میں قریب ہی سے ایک پیاس سے بے تاب شخص کی آواز کان میں آئی۔ اتفاق سے وہ بھی جاں بلب تھے۔ چچازاد بھائی نے کہا:

''پہلے ان کو پلاؤ۔''

وہ مشکیزہ لے کر ان کے پاس پہنچے تو وہ حضرت سہیلؓ تھے۔ وہ انھیں پانی پلانے گئے۔ اتنے میں قریب ہی سے ایک تیسرے شخص کے کراہنے کی آواز آئی۔ حضرت سہیلؓ نے کہا کہ ''پہلے ان کو پلاؤ۔''

وہ پانی لے کر ان کے پاس گئے۔ دیکھا حضرت حارثؓ زخموں سے چوُر چوُر زمین پر پڑے دم توڑ رہے تھے۔ جاں کنی کا عالم ہے پانی لے کر پہنچے تھے کہ حضرت کا دَم نکل گیا۔ وہاں سے وہ جلدی سے لوٹ کر حضرت سہیلؓ کے پاس آئے۔ یہاں پہنچے تو دیکھا کہ وہ بھی انتقال فرما چکے تھے۔ فوراً چچازاد بھائی کے پاس پہنچے۔ اتنی دیر میں ان کا بھی دم نکل چکا تھا۔

اس طرح ان تینوں زخمی مجاہدین نے تشنہ کامی کی حالت میں جان دے دی۔ مگر اپنے دوسرے زخمی مسلمان بھائی سے پہلے پانی پینا گوارا نہ کیا۔

۱۔ ایثار کسے کہتے ہیں؟

۲۔ ان صحابۂ کرامؓ کے ایثار کے بارے میں تم نے کیا رائے قائم کی؟

۳۔ ایثار کی ایسی مثال تم نے کہیں اور بھی سنی ہے؟

(۱۵)

پیارے نبیؐ سے محبت

مسلمانوں کی نصرانیوں سے ایک عرصے سے جنگ چلی آ رہی تھی۔ ایک بار نصرانیوں نے پیارے نبیؐ کی پاک لاش کی بے حرمتی کا منصوبہ بنایا اور اس کی تکمیل کے لیے اپنی قوم کے دو آدمی مامور کیے جو مراکشی حاجیوں کے بھیس میں مدینے پہنچے۔ اِن لوگوں نے روضۂ پاک کی مغربی جانب مسجد کی دیوار سے متصل ایک ویران مکان پر قبضہ کیا اور وہیں رہنے سہنے لگے۔ ظاہراً بڑے زہد و تقویٰ کی زندگی گزارتے تھے۔ صورت سے معلوم ہوتا گیا وہ بڑے عبادت گزار ہیں۔ مدینے والے ان کے فریب میں آ گئے۔

مدینے والوں کو اپنی طرف سے اطمینان دلا دینے کے بعد وہ اپنے منصوبے پر عمل پیرا ہوئے۔ انھوں نے اس مکان سے سرنگ کھودنی شروع کی۔ قریب ہی ایک گڑھا تھا، سرنگ سے نکلی ہوئی مٹی یہ لوگ اس

گڑھے میں بھر دیتے اور رات میں لے جا کر میدان میں ڈال آتے۔
ایک عرصے تک یہ حرکت جاری رہی، قریب تھا کہ نبی کریمؐ کی قبرِ مبارک تک جا پہنچیں اور نعوذ باللہ آپ کے جسدِ مبارک کی بے حرمتی کریں کہ دمشق کے مشہور سلطان نورالدین زندگی نے حضورؐ کو خواب میں دیکھا۔ وہ تین دن برابر حضورؐ کو خواب میں دیکھتا رہا۔ ہر مرتبہ حضورؐ دو شخصوں کی طرف اشارہ کر کے فرماتے کہ ''نورالدین'' مجھے ان دونوں کے شر سے بچاؤ۔''
اس خواب سے سلطان کو یقین ہو گیا کہ مدینۂ منورہ میں ضرور کوئی افتاد پڑی ہے جس سے سرورِ عالمؐ کی روحِ مبارک بے قرار ہے۔
تیسرے دن بیدار ہوتے ہی سلطان مدینے کی طرف روانہ ہو گیا۔ بہت سا روپیا پیسا ساتھ لایا تھا۔ مدینے پہنچ کر خیرات عام کی منادی کرا دی۔ تمام لوگ انعام واکرام کے لیے آئے۔ سلطان نے یہ ترکیب اس لیے کی تھی کہ اس طرح ان دونوں آدمیوں کی صورت پہچاننے میں آ جائے گی۔ مگر وہ دونوں نظر نہ آئے۔ دریافت کیا تو معلوم ہوا کہ سب لوگ تو آ چکے۔ صرف دو خدا رسیدہ بزرگ تشریف نہیں لائے۔ یہ دونوں ہمیشہ عبادت میں مصروف رہتے ہیں۔ اسی لیے کسی سے ملتے جلتے نہیں۔ سلطان نے انھیں بھی حاضر ہونے کا حکم دیا۔ ناچار حاضر ہوئے، سلطان

پہچان گیا۔ یہ دونوں وہی تھے جن کی طرف خواب میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اشارہ فرما چکے تھے۔

سلطان ان کے ساتھ ان کی جائے قیام پر گیا۔ بظاہر گھر کے در و دیوار سے اندازہ ہوتا تھا کہ دونوں بہت ہی عبادت گزار ہیں۔ طاق پر کلام پاک اور پند ونصائح کی کتابیں رکھی تھیں۔ فرش پر بوریا بچھا ہوا تھا۔ بادشاہ نے بوریا اٹھا کر دیکھا تو اس خوف ناک حقیقت کا انکشاف ہوا۔

سلطان نے ساری حقیقت دریافت کی۔ ان لوگوں نے اپنا منصوبہ بیان کیا اور بتایا کہ قریب تھا کہ ہم مدینے والوں کی آنکھ میں دھول جھونک کر تمھارے پیغمبرؐ کی قبر تک پہنچ جائیں کہ دفعتہً آسمان پر بادل گرجا، سخت ہوائیں چلنے لگیں، زلزلہ آیا اور اس کے بعد آپ پہنچ گئے۔

سلطان یہ سن کر زاروقطار رونے لگا۔ غصے میں بھر کر اُٹھا اور دونوں ملعونوں کی گردنیں اُڑا دیں اور ان کی ناپاک لاشیں آگ کے حوالے کر دیں۔ پھر حجرۂ نبویؐ کے گرد ایک گہری خندق کھدوائی اور اس میں پگھلا ہوا سیسہ بھروا دیا تاکہ پھر کوئی ملعون اس قسم کی گستاخی کی جرأت نہ کر سکے۔

۱- حضورؐ کے جسدِ مبارک کے بارے میں ملعونوں نے کیا منصوبہ بنایا تھا؟

۲- اللہ نے حفاظت کے لیے کیا انتظام کیا؟

۳- سلطان نور الدین زندگی نے خواب میں کیا دیکھا؟

۴- اس نے پتا لگانے کی کیا ترکیب کی؟

۵- ان دونوں نے اپنے منصوبے کو عملی جامہ پہنانے کے لیے کیا کیا تھا؟

۶- نور الدینؒ نے ان کے ساتھ کیا برتاؤ کیا؟ اور روضۂ پاک کی حفاظت کا کیا انتظام کیا؟

(۱۶)

کارِ خیر میں مسابقت

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے دورِ خلافت کا ذکر ہے۔ مدینے کے قریب ایک اندھی بڑھیا کی جھونپڑی تھی۔ وہ بے چاری بہت ہی ضعیفہ اور بے بس تھی۔ اس غریب کے گھر میں کوئی نہ تھا جو اس بے بسی میں اس کا عصائے پیری بنتا۔ اولاد سے بھی محروم تھی۔ اتفاق سے کہیں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو اس ضعیفہ کی بے بسی اور بے چارگی کی خبر ملی۔ یہ حضرت تو ایسے مواقع کی تلاش میں رہتے ہی تھے۔ سنا تو بہت خوش ہوئے کہ چلو محتاجوں کی خدمت کر کے ثواب کمانے کا بہترین موقع ہاتھ لگا ہے۔ چناں چہ انھوں نے یہ قاعدہ مقرر کر لیا کہ ہر روز صبح سویرے بڑھیا کے گھر جاتے، اس کے گھر میں جھاڑو وغیرہ دیتے، پانی بھرتے، کوئی چیز کم ہوتی تو بازار سے لا کر رکھ دیتے۔

غرض ہر طرح اس کی خدمت بجالاتے اور اسے آرام پہنچانے

کی فکر کرتے۔ بڑھیا بے چاری اندھی تھی، اسے پتا بھی نہ تھا کہ میرا سارا کام کون کرتا ہے حضرت عمر رضی اللہ عنہ یہ بے لوث خدمت اپنی عاقبت بنانے اور اللہ کی خوشنودی حاصل کرنے کے لیے کرتے تھے۔ کسی اور کو خوش کرنے یا لوگوں کی تعریف سننے کے لیے نہیں کرتے تھے۔ اسی لیے اتنے سویرے جاتے کہ کسی کو خبر نہ ہوتی۔

ایک عرصے ان کا یہی معمول رہا۔ کچھ دنوں کے بعد انھیں ایسا محسوس ہوا کہ کوئی شخص ان سے پہلے آ کر یہ سارے کام کر جاتا ہے۔ اب انھیں فکر دامن گیر ہوئی کہ آخر یہ کون بزرگ ہیں جو مجھ سے بھی پہلے یہاں پہنچ جاتے ہیں۔

بڑھیا بے چاری اندھی اسے کیا خبر کہ کون آتا ہے، اسے تو آم کھانے سے کام تھا، گٹھلیاں گننے کی کیا ضرورت تھی۔ یوں بھی وہ دوسرے صاحب اتنی رات رہے اس کے گھر جاتے تھے کہ اس وقت وہ سوتی رہتی تھی اور جاگ بھی جاتی تو اندھی عورت پہچان ہی کیسے سکتی تھی۔ چناں چہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے خود ایک دن پکڑنے کی ٹھانی۔

رات ہی کو دروازے میں چھپ کر کھڑے ہو گئے کہ دیکھیں وہ کون ہیں جو مجھ سے پہلے بڑھیا کے سارے کام کر جاتے ہیں۔ ابھی صبح ہونے میں کافی دیر تھی کہ حسبِ معمول وہی صاحب وقت مقررہ پر چپکے چپکے تشریف لائے۔ اور گھر کا سارا کام خاموشی کے ساتھ کرنے لگے۔ حضرت

عمرؓ نے پہچاننے کی کوشش کی مگر اندھیرے کے سبب پہچان نہ سکے۔ جب وہ صاحب کام کر کے لوٹے اور دروازے کے پاس پہنچے تو انھیں پہچان کر آپ دم بخود رہ گئے۔ یہ تو خلیفۂ وقت امیر المومنین حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ تھے۔

اسی طرح کا ایک اور واقعہ ہے۔ غزوۂ تبوک کے موقعے پر جب مسلمان انتہائی عُسرت اور مفلوک الحال کے دور سے گزر رہے تھے اور دنیا کی سب سے بڑی طاقت سے ان کا مقابلہ تھا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے مالی اعانت کی اپیل کی۔ اتفاق سے حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے پاس اس وقت کافی سرمایہ تھا۔ انھوں نے سوچا کہ اِس کارِ خیر میں تو حضرت صدیق رضی اللہ عنہ سے میرا نمبر بڑھ جائے گا۔ چناں چہ خوشی خوشی گئے اور سارے اثاثے کا نصف لا کر خدمتِ اقدس میں پیش کر دیا۔

سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے دریافت فرمایا: ”عمر! گھر والوں کا بھی تو حق ہے؟ اہل و عیال کے لیے بھی کچھ چھوڑا، یا سب یہیں اٹھا لائے۔“

”حضور! نصف اہل و عیال کے لیے چھوڑ آیا ہوں۔“ حضرت فاروقؓ نے جواب دیا۔ ”باقی نصف، دین کی خدمت کے لیے حاضر ہے۔“

اتنے میں حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ گھر کا سارا اثاثہ

سمیٹ لائے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے قدموں میں لا کر ڈال دیا۔

حضورؐ نے پوچھا: ''ابوبکر! اہل وعیال کی بھی کچھ فکر ہے؟ آخر ان کے لیے کیا چھوڑا؟ بولے: اُن کے لیے تو بس اللہ اور اس کے رسولؐ کی محبت کافی ہے۔''

حضرت عمر فاروقؓ موجود تھے۔ ضبط نہ ہو سکا بولے: میں کبھی ابوبکر صدیقؓ پر سبقت نہیں لے جا سکتا۔''

---

(۱۷)

قتل و خوں ریزی سے اجتناب

حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کا آخری دور تھا۔ بعض لوگوں کو سیدنا عثمانؓ کی ذاتِ خاص سے کچھ بے بنیاد شکایات پیدا ہو گئیں۔ بصرہ، کوفہ اور مصر کے چند فتنہ پرور افراد نے مدینے میں جمع ہو کر حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے مکان کا محاصرہ کر لیا اور ان کو شہید کرنے کے درپے ہو گئے۔ انھوں نے صفائی پیش کی، اپنی خدمات گنائیں، باغیوں نے خدمات کا اعتراف کیا مگر پھر بھی اپنے منصوبے سے باز نہ آئے۔ بلکہ پتھر پھینکنا شروع کیا۔ پتھراؤ سے بچنے کے لیے وہ اپنے حجرے میں گوشہ نشین ہو گئے۔

ایامِ محاصرہ میں حضرت عثمانؓ مسلسل روزے رکھتے تھے۔ ایسا بھی ہوتا تھا کہ افطار میں غذا تو درکنار ایک قطرہ پانی بھی نصیب نہ ہوتا تھا۔ اسی حال میں رات بسر ہو جاتی اور اگلے دن پھر روزہ رکھ لیتے تھے۔ سنگ باری کے سبب حجرے میں بند، کھانے پینے سے محروم، ضعیفی کا عالم اور روزے پر

روزہ، ذرا عرب کے ریگستان اور گرمی کے موسم کا تصور کرو، خلیفۂ وقت اور اس حال میں، کتنی تکلیف ہوتی ہوگی۔

حضرت عثمانؓ کے حامیوں کی تعداد بھی کچھ کم نہ تھی۔ اُن کا حضورؐ سے رشتہ، غریبوں، بیواؤں، مسکینوں اور حاجت مندوں کی امداد میں پیش پیش رہنا خلافت اور اس کے قبل آپ کی دینی خدمات اور رفاہِ عامہ کے کاموں سے دل چسپی، ان کی ذاتی فضیلت اور حضورؐ کی ان پر خصوصی عنایات، سب سے بڑی بات ان کا خلیفۂ وقت ہونا، یہ ساری باتیں بہر حال وزن رکھتی تھیں اور ہزاروں لاکھوں کی عقیدت مندیاں ان کے ساتھ تھیں۔ چناں چہ لوگوں نے چاہا کہ اس بغاوت کو بزورِ شمشیر فرو کریں۔ مگر وہ انتہائی رحم دل تھے۔ کسی طرح اس پر تیار نہ ہوئے کہ ان کی اپنی ذات کے لیے مسلمانوں کے مابین جنگ اور خونریزی ہو۔ پانچ سو جاں باز غلام دشمنوں کے مقابلے پر کمر بستہ ہوئے۔ بہت اصرار کیا مگر اجازت نہ دی۔ بلکہ انھیں غلامی سے آزاد کر دیا۔ اور بولے: ''جہاں جی چاہے چلے جاؤ۔ مگر مسلمانوں سے جنگ نہ کرو۔''

اسی دوران میں حضرت مغیرہؓ خدمت میں حاضر ہوئے۔ باغیوں کے رویے پر اظہارِ ملال کیا اور مشورہ دیا کہ یا تو نکل کر ان باغیوں سے برسرِ پیکار ہو جایئے یا دیوار توڑ کر مکہ معظمہ تشریف لے جایئے تاکہ حرم میں آپ کی جان محفوظ رہ سکے یا پھر ملک شام چلے جایئے۔

مگر انھوں نے انتہائی تحمل سے فرمایا:

"میں لڑائی کے لیے تو نکلنا نہیں چاہتا۔ مجھے یہ قطعاً پسند نہیں کہ رحمۃ للعٰلمین کا جانشین ہو کر مسلمانوں کے مابین فساد و خوں ریزی کا موجب بنوں۔ مکہ معظمہ اس لیے نہیں جا سکتا کہ مبادا یہ لوگ میری وجہ سے حرم شریف میں بھی فتنہ وفساد برپا کریں اور حرم کے احترام کو ختم کر دیں۔ رہا شام کا سفر تو حضورؐ کی ہمسائیگی چھوڑ کر میں وہاں بھی نہیں جا سکتا۔"

حضرت علیؓ کو جب معلوم ہوا کہ باغی امیر المومنین سیدنا عثمانؓ کو شہید کرنا چاہتے ہیں، تو انھوں نے اپنے دونوں بیٹوں کو ایک مختصر جماعت کے ساتھ پہرے پر متعین کر دیا۔ مگر باغیوں نے دوسری سمت سے دیوار پھاند کر عین تلاوتِ کلام مجید کی حالت میں ان کو شہید کر ڈالا۔

اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّآ اِلَیہِ رَاجِعُونَ۔

حضرت عثمانؓ نے اپنی شہادت بخوشی گوارا فرمالی۔ مگر اپنی زندگی میں تفرقہ اور خوں ریزی کی نوبت نہ آنے دی۔ اللہ آپ سے راضی ہو۔

۱۔ حضرت عثمانؓ کون تھے؟

۲۔ ان میں کیا کیا اوصاف تھے؟

۳- باغیوں کو انھوں نے کیا سمجھایا؟
۴- باغیوں نے کیا اثر لیا؟
۵- محاصرے کا زمانہ انھوں نے کس طرح گزارا؟
۶- ان کے بہی خواہوں نے کیا مشورے دیے؟
۷- انھوں نے انھیں کیا جواب دیا؟
۸- حضرت عثمان غنیؓ کی سیرت پر اس واقعے سے کیا روشنی پڑتی ہے؟

(۱۸)

شاگردوں سے خدمت لینے سے احتراز

اساتذہ اپنے طلبہ کے روحانی باپ ہوتے ہیں۔ اُن کے احسانات بھی والدین سے کچھ کم نہیں۔ اِسی لیے طلبہ ہمیشہ اپنے اچھے اساتذہ کا احترام، اطاعت اور خدمت بالکل اسی طرح کرتے ہیں، جس طرح اپنے والدین کی کرتے ہیں۔ مگر اس کے یہ معنی قطعاً نہیں ہوتے کہ اساتذہ ان سے اپنی خدمت لے کر تعلیم و تربیت کا اجر ضائع کردیں۔ ایسا کرنے سے تو تعلیم ایک مقدس فریضے کی بجائے ایک تجارت ہو کر رہ جاتا ہے۔ اس لیے کہ وہ اپنا اجر آخرت میں اللہ سے حاصل کرنے کی بجائے دنیا ہی میں شاگردوں کی خدمت کے رُوپ میں وصول کرلیتے ہیں۔ دوسرے اس روحانی رشتے میں بھی کوئی خلوص باقی نہیں رہ جاتا۔ اچھے اساتذہ کا یہ شعار رہا ہے کہ اصرار کے باوجود انھوں نے اپنے شاگردوں سے کسی قسم کی خدمت لینا کبھی گوارا نہیں کیا۔

میاں عبداللہ بدایونی ایک ایسے ہی نیک استاد تھے۔ ان کی تعلیمی خدمات نظر انداز نہیں کی جاسکتیں۔ وہ خلوص سے تعلیم دینے کے ساتھ ساتھ اپنے گھر کا سارا کاروبار بھی خود کیا کرتے تھے۔ گھر کے لیے سودا خواہ زیادہ ہو یا کم اور ضرورت کی دیگر اشیا میاں صاحب پا پیادہ بازار سے خود جا کر خریدتے تھے اور اپنے اوپر لاد کر گھر لاتے تھے۔ اس اثنا میں بھی وہ تعلیم وتدریس سے نہیں چوکتے تھے۔ طلبہ ان کے ساتھ ہو جاتے تھے اور وہ راستے میں انھیں تعلیم دیتے چلتے تھے۔ طلبہ اصرار کرتے کہ حضرت ہمیں دیجیے۔ ہم ان چیزوں کو گھر پہنچا دیں، لیکن وہ کسی طرح گوارا نہ کرتے۔ پیٹھ پر گٹھری پڑی ہوئی ہے، سبق ہو رہا ہے مگر یہ پسند نہیں کہ اپنا نجی کام طلبہ سے لیں۔

مولانا قاری عبدالرحمٰن صاحب محدث پانی پتی (اللہ کی اُن پر رحمت ہو) اِسی وضع کے ایک اور خود دار اور مخلص استاد گزرے ہیں۔ مولانا حالی ان کے شاگرد تھے۔ ایک بار انھوں نے ایک خط لکھا اور اس انتظار میں تھے کہ اپنا ملازم نظر پڑے تو اس سے ڈاک میں ڈلوایا جائے۔ اتفاق سے ان کے ایک شاگرد کو پتا چل گیا کہ استاد کو خط ڈلوانا ہے۔ اس نے حاضرِ خدمت ہو کر عرض کیا۔

''لائیے خط میں ڈال آؤں۔'' اور بے حد اصرار کیا۔

شاگرد کے اصرار پر انھوں نے فرمایا:

”میں تم سے یہ کام لینا نہیں چاہتا، کیوں کہ تمھارا تعلق میرے ساتھ تعلیم کا ہے۔ میرا حقِ استادی سمجھ کر تم یہ خط ڈاک میں ڈالو گے، میرے نزدیک یہ بھی یک گونہ رِشوت ہے۔ اِس کے بعد تعلیم کا خلوص باقی نہ رہے گا۔ لہٰذا میں تم سے یہ معمولی کام لے کر اپنا ثواب کیوں ضائع کروں۔“

دیکھا آپ نے ان بزرگ استاد کا طرزِ عمل اللہ ان بزرگوں کو جزائے خیر دے، جنھوں نے ہمارے سامنے ایسے اچھے عملی نمونے پیش کیے۔

۱۔ ملا عبداللہ بدایونی کے بارے میں تم کیا جانتے ہو؟ وہ سودا خود کیوں لاتے تھے۔

۲۔ مولانا عبدالرحمٰن مرحوم کون تھے؟

۳۔ خط لکھنے کے بعد اُنھوں نے کیا کیا؟

۴۔ شاگرد سے ان کی کیا بات چیت ہوئی؟

۵۔ شاگرد کے اصرار پر آپ نے کیا کہا؟

(۱۹)

علم کی طلب

علم سب سے بڑی دولت ہے اور جہالت سب سے بڑا افلاس۔ علم کے بغیر آدمی کا ایمان اور یقین پختہ نہیں ہوتا۔ جس کے نتیجے میں وہ عمل کی دولت سے بھی محروم ہو جاتا ہے۔ جبھی تو علم کی طلب ہر مسلم کے لیے ضروری قرار دی گئی ہے۔ جنھیں اپنے ایمان و عمل کی فکر ہوتی ہے وہ اس دولت کے حصول کی ہر ممکن کوشش کرتے ہیں۔ خواہ اس راہ میں انھیں کتنی ہی صعوبتیں پیش آئیں۔

امام بخاریؒ سے تو تم متعارف ہو۔ انھوں نے علم کی خاطر بہت مصیبتیں جھیلیں، دور دراز کے سفر کیے چودہ سال کے سن میں وہ گھر سے نکل کھڑے ہوئے اور بخارا سے مصر تک سارے ممالک کی خاک چھانتے پھرے۔ ذرا غور تو کرو۔ کہاں بخارا اور کہاں مصر۔ اتنی طویل مسافت اور وہ بھی امام بخاریؒ کے دور میں جب کہ سفر نمونۂ سقر ہوتا تھا۔ اتنا ہی نہیں، سفر

میں بسا اوقات امام بخاریؒ اتنے تہی دست ہو جاتے تھے کہ کھانے کے لیے کئی کئی دن جنگل کی جڑی بوٹیوں کے سوا کوئی چیز نصیب نہیں ہوتی تھی۔ پھر بھی وہ اپنی کوشش جاری رکھتے تھے اور ان کے شوق میں کوئی کمی واقع نہیں ہوتی تھی۔ امام بخاریؒ کا یہی اشتیاق تھا جس کے باعث اللہ نے اُنھیں علم کی دولت سے مالا مال کیا اور وہ حدیث کے سب سے بڑے امام ہوئے۔